محترمہ فرشتہ ج السائس
ترجمہ: عبدالرحمٰن عبد ایم اے

مدنی نظام اوزان وپیمائش

عصرِ حاضر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت واہمیت کا احساس بڑھ رہا ہے۔ اسی لیے بہت سے علما ومفکرین مستقبل کی اسلامی مملکت اور اجتماعی نظام کی تفصیلات طے کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں اس اجتماعی نظام کا ایک اہم حصہ زکوٰۃ ہے۔ محترمہ فرشتہ ج السائس گذشتہ بیس سال سے قانون زکوٰۃ ومعاشرت کی بہبودی کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے اور انھوں نے بڑی محنت اور ریاضت سے "قانون وفلسفۂ زکوٰۃ" نامی ایک مبسوط اور محققانہ کتاب لکھی ہے جس میں مذاہبِ اربعہ کو پیشِ نظر رکھ کر زکوٰۃ کی حقیقت، قانون اور التزام پر مفصل بحث کی ہے اور کچھ ایسے مسائل کی نشان دہی کی ہے جن پر غور وفکر اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ ذیل کا مضمون اسی کتاب کا ایک باب ہے۔ (مترجم)

شرحِ زکوٰۃ اور نصاب کی حدود کا ذکر کرنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس بات کا مختصر مگر جامع مطالعہ کریں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نظامِ اوزان وپیمائش کو معیار کی حیثیت سے اپنایا تھا جسے دوسرے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق ؓ نے بعد ازیں منطبق ومنضبط کیا تھا۔

اسلام کی آمد سے پہلے عرب اقوام میں دو نظامِ اوزان وپیمائش رائج تھے۔ ایک یونانی رومی نظام تھا دوسرا ایرانی نظام تھا۔ چونکہ یہ دونوں نظام بھی کسی جگہ کچھ تھے تو دوسری جگہ کچھ اور تھے۔ اس لیے زکوٰۃ جیسے اہم ادارے کے لیے انھیں قانونی معیار بنانا مناسب نہیں تھا چنانچہ بے ترتیبی اور گڑبڑ کا ازالہ کرنے کے لیے اور جن اوزان وپیمائش سے زکوٰۃ لی جاتی تھی انھیں مستحکم کرنے کے لیے قیمتوں اور اقدار کا انضباط عمل میں لایا گیا جس کے نتیجے میں ایک ایسا نظام وجود میں آیا جسے ہم آئندہ صفحات میں مدنی نظام اوزان وپیمائش کہیں گے۔

قال النبیؐ: المیزان میزان اھل المدینۃ (صحیح البخاری)۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نظامِ اوزان وپیمائش وہی معتبر ہے جو اہلِ مدینہ کا ہے۔

اسلام سے پہلے عرب اقوام میں جو بڑے بڑے اہم ترین اوزان اور پیمانے رائج تھے اور جنھیں رسولِ

اکرم ؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں معیاری اقدار کے طور پر نافذ کیا ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

اوزان: اَلحبۃ، اَلقیراط، اَلدِّرہم، اَلمثقال یا الدِّینار، اَلاوقیۃ اور اَلرِّطل۔

پیمانے: اَلصّاع اور اَلوسق۔

ان میں سب سے چھوٹی اکائی الحبہ تھی جو جو کے ایک دانے کے برابر وزن تھا۔ اسے آج بھی قیمتی پتھروں اور دھاتوں کو تولنے کے لیے برطانوی نظام اوزان (جسے ٹرائے کا نظام اوزان کہا جاتا ہے) میں استعمال کیا جاتا ہے چار حبّے مل کر ایک قیراط کے ہم وزن ہوتے تھے۔ یہ بات بالکل یقینی ہے کہ درہم، اوقیہ اور رطل کے درمیان یہ نسبت تھی کہ چالیس درہم ایک اوقیہ کے برابر ہوتے ہیں اور بارہ اوقیہ ایک رطل کے برابر تھے۔

قانونِ زکوٰۃ کی قدیم تشریح میں صاع کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ $5\frac{1}{3}$ حجازی رطلوں کے برابر جگہ گھیرنے والا پیمانہ تھا، تاہم یہ بات بدلائل معلوم ہے کہ یہ رطل وہ نہیں ہے جسے بارہ اوقیہ کے برابر منضبط کیا گیا تھا۔ یعنی جو ۴۷۰ کلو گرام کے برابر ہے یا ایک سیر ۶۸ تولے کے برابر ہے۔ $5\frac{1}{3}$ حجازی رطلوں کے برابر ایک صاع کے پیمانے میں جس رطل کا ذکر ہے وہ پہلے والے سے کافی زیادہ ہلکا ہے۔ حجازی رطل ۹۸۰ گرام کے برابر ہوتا ہے جو ایک سیر وزن سے ذرا ہی زیادہ وزن کا ہوتا ہے۔ قاہرہ کے موجودہ بڑے رطل کے لگ بھگ اس کا وزن ہوتا تھا (حتیٰ کہ آج بھی رطل کا وزن ایک جگہ سے دوسری جگہ سے مختلف پایا جاتا ہے کہیں یہ ۲۰۵۶۴ کلو گرام اور کہیں صرف ۱۵ ۷ گرام کے برابر ہے)

اس مفروضے کو اس حقیقت سے قابلِ قدر تقویت و ثبوت ملتا ہے کہ ایک متوسط قسم کا اونٹ زیادہ سے زیادہ ۳۳۶ سیر وزن ($8\frac{2}{5}$ من یا ۳۱۳۰۵۲۸ کلو گرام وزن) اٹھا سکتا ہے۔ مثلاً پاکستان میں فوجی قوانین کے مطابق جنگ کے دنوں میں ایک اونٹ پر زیادہ سے زیادہ پانچ من بوجھ لادا جا سکتا ہے۔ اگر جنگی خدمات کے لیے مسلسل اور مشقت طلب سفروں میں پانچ من (۲۰۰ سیر) وزن کو مناسب سمجھا جا سکتا ہے تو یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ مدنی نظام کا وسق (حملِ بعیر یعنی اونٹ کا بوجھ) ایک اونٹ کا پورا یا زیادہ سے زیادہ بوجھ ہے جس میں وہ غلہ یا کھجوروں وغیرہ کو اٹھا کر کھیت یا کھلیان یا درختوں کے جھنڈ سے بازار تک اٹھالاتا ہے، گویا تھوڑے سے فاصلہ کے لیے۔ اس لیے چونکہ وسق ساٹھ

صاع کے برابر ہے تو ہر صاع کا وزن ۲۲۵ ,۵ کلوگرام یا ⅗ ۵ سیر کے برابر ہے۔ یعنی تین رطلوں کے برابر ہے۔ جن سے ہر ایک رطل بارہ اوقیہ کا وزن ہے۔

اغلب یہ ہے کہ چونکہ رطل کا قانون زکوٰۃ کے ساتھ کوئی بلاواسطہ تعلق نہیں تھا۔ پہلے علما نے صاع کے ساتھ بارہ اوقیہ والا رطل کی نسبت وزنی کو خاص اہمیت نہ دی، بلکہ حجازی رطل کا ہی ذکر کرتے رہے جو اس زمانے میں عام استعمال میں تھا، پھر یہ بات بھی ہے کہ ہم اس زمانے کے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر بآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس زمانے کے علما نے ان تفاصیل کا کھوج کیوں نہ نکالا۔ وجہ یہ ہے کہ آج کی نسبت اس زمانے میں آنے جانے اور سامان منتقل کرنے کے لیے اونٹوں کا بہت زیادہ اور عام استعمال ہوتا تھا اس لیے ان دنوں اکثر لوگ جانتے ہوں گے کہ ایک اونٹ زیادہ سے زیادہ کتنا بار اٹھا سکتا ہے۔ لہٰذا انھیں پورے تیقن اور تعین سے معلوم ہوتا ہوگا کہ ایک وسق یا ایک صاع میں ٹھیک ٹھیک کتنا غلّہ یا دوسری اجناس آتی ہیں۔

جہاں تک درہم کا تعلق ہے یہ امر فیصل شدہ ہے۔ وزن کے اعتبار سے مثقال یا دینار سے درہم کی نسبت، یہ ہے کہ دس درہم سات مثقال (یا سات دینار) کے برابر ہیں اور سکّے اور زرِ مبادلہ کی حیثیت سے دس درہم ایک مثقال (یا ایک دینار) کے برابر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان امور پر اتفاق نہیں ہے کہ مختلف حسابات کو کب اور کس طرح منضبط کیا گیا اور مدنی نظام کی ان دونوں اکائیوں میں سے ہر ایک کے وزن میں صحیح طور پر کتنے حبّہ (گرین) یا قیراط قانونی طور پر متعین کیے گئے تھے۔

اسلام کی آمد سے پہلے یہ اوزان معلوم و معروف تھے اور عام استعمال میں تھے۔ اس پر تو کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں درہم اور دینار دونوں کا ذکر تو موجود ہے لیکن ان کی صحیح قدر و قیمت کے بارے میں کوئی کلید نہیں ملتی۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ (۱۲: ۲۰)

"اور انھوں نے (حضرت یوسفؑ) کو گنتی کے چند درہموں کے عوض بیچ دیا۔ انھوں نے اس کی بہت کم قیمت رکھی۔"

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ

بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا (سورۂ آل عمران : ۷۵)

اہلِ کتاب میں ایسا آدمی بھی ہے جسے اگر تو اسے امانت کے طور پر خزانہ دے تو وہ بحفاظت تمھیں لوٹا دے گا۔ اور ان میں ایسا آدمی بھی ہے کہ اگر تو اسے امانت کے طور پر صرف ایک دینار دے تو وہ تمھیں نہیں لوٹائے گا جب تک تو اس کے سر پر کھڑا نہ رہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ درہم اور دینار اسلام سے پہلے دنوں میں معلوم و معروف ضرور تھے۔ خواہ ان کی قدر و قیمت کچھ ہی کیوں نہ ہو)

چونکہ مدنی نظام اوزان میں درہم ہی وہ اکائی ہے جو پورے نظام کا مرکز و محور ہے اس لیے حتی الامکان تک گرین (حبہ) کی صحیح ترین تعداد میں درہم کے وزن کا تعین کرنا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ نظام کی بنیادی اکائی گرین (حبہ) ہے امام العینی نے صحیح البخاری کی شرح میں بہت سے علما کے نام دیے ہیں۔ جنھوں نے حقائق و معلومات جمع کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ درہم کا وزن قانونی طور پر چھ دانق مقرر کر دیا گیا تھا اور دس درہموں کا وزن سات مثقال کے برابر تھا۔ اس انضباط و تطبیق کا ذکر امام نووی نے کیا ہے اور امام ماوردی نے اپنی کتاب "الاحکام" میں کیا ہے۔ ابو عبید القاسم بن سلام نے اپنی کتاب "کتاب الاموال" کے صدقات والے باب میں کیا ہے۔ انھوں نے بتلایا ہے کہ فارسی درہم کا وزن آٹھ دوانیق ہوتا تھا جب کہ یونانی رومی درہم چار دوانیق کا ہوتا تھا ان دونوں اوزان کی اوسط نکال کر درہم ایک بنا دیا گیا۔ اب چھ دوانیق کا درہم قانونی درہم بن گیا۔

قاموس المحیط کے مطابق دانق کا وزن دو قیراط یا آٹھ گرین (حبّہ) کے برابر تھا۔ اگر یہ بات درست تھی تو چھ دانق والا درہم ۴۸ حبّہ یا ۱۲ قیراط وزن کا ہوتا تھا اس قسم کے دس درہم ۴۸۰ حبّہ کے برابر ہوتے تھے۔ لہٰذا مثقال کا وزن (۴۸۰ ÷ ۷) = ۶۸٫۵۷۱ حبّہ تھا۔ ابن سعد کی کتاب الطبقات کے مطابق اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۷۵ھ میں ان دونوں درہموں کو ملا کر ایک درہم اس وقت کیا جب اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دینار و درہم کے سکّے تیار کیے گئے اور ان پر یہ عبارت کندہ تھی۔

" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ "

اس کے برعکس الواقدی نے اپنی کتاب "کتاب المکاییل" میں معابد بن مسلم سے روایت کی ہے جس نے عبدالرحمٰن بن ثابت سے سنا کہ عبدالملک نے جس مثقال کا سکّہ دمشق میں تیار کروایا تھا اس کا وزن ۸۰،۷ حبہ (گرین) یا $\frac{۳}{۴}$ ۲۱ قیراط تھا۔ اگر یہ بات صحیح تھی تو سات مثقال کا وزن ۶۰۰٫۹ حبہ کے برابر تھا یا ہر درہم ۱۵٫۰۲۲۵ قیراط کے برابر تھا۔ یہی محقق (واقدی) تطبیق کی خاطر ایک درہم کو پندرہ قیراط یا ساٹھ حبہ (گرین) کے برابر مقرر کرتا ہے۔ مزید برآں القرطبی کا بیان ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جو درہم بنوایا تھا وہ ۵۵ حبہ یا $\frac{۳}{۴}$ ۱۳ قیراط کے برابر تھا۔ اس قدر کے مطابق مثقال کا وزن ۷۸٫۵۷۱ حبہ (گرین) یا ۱۹٫۶۴۲ قیراط ہوگا۔ القرافی نے "الذخیرہ" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ مصری درہم جس کا وزن ۶۴ حبہ تھا اس کی مدینہ کے درہم کے ساتھ یہ نسبت تھی کہ مصری ۱۸۰ درہم میں دو حبہ جمع کرنے سے دو سو مدنی درہم کے برابر وزن ہوتا تھا۔ اس طرح مؤخر الذکر کا وزن $\frac{۳}{۵}$ ۵۷ حبہ بنتا تھا جو $\frac{۲}{۵}$ ۱۴ قیراط بنتا تھا اور مثقال میں $\frac{۳}{۷}$ ۸۲ حبہ ہوتے تھے یا $\frac{۳}{۴}$ ۲۰٫۰ قیراط ہوتے تھے۔

اسلام میں سب سے پہلے جس نظر کی بنیاد پڑی وہ فقہ حنفی ہے۔ اس کے مطابق مدنی درہم چودہ قیراط یعنی ۵۶ حبہ کے برابر ہے اور مثقال میں بیس[۲۰] قیراط ہوتے ہیں یعنی اس میں اسّی[۸۰] حبہ ہوتے ہیں۔ اس طرح وزن کے اعتبار سے درہم اور مثقال میں ۷ : ۱۰ کی اور قیمت کے اعتبار سے ۱ : ۱۰ کی نسبت ہے۔ قدرِ قیمت کے اس تعین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ نے تطبیق کر کے نافذ کر دیا تھا۔ اس تطبیق کا ذکر فتاویٰ الصغریٰ میں ملتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ عہدِ عمرؓ سے پیشتر مسلمانوں میں تین قسم کے درہم استعمال ہوتے تھے جن میں ایک درہم بیس قیراط یا اسّی حبہ کے برابر وزن کا تھا اور یہ مثقال کے برابر تھا اور مثقال کی صرف ایک ہی قسم تھی۔ دوسرا درہم بارہ قیراط یا ۴۸ حبہ کے برابر تھا گویا $\frac{۳}{۵}$ مثقال تھا۔ ایسے دس درہموں کا وزن چھ مثقالوں کے مساوی تھا۔ آخری یعنی تیسری قسم کا درہم دس قیراط، یا چالیس حبہ کے برابر تھا۔ گویا نصف مثقال کے برابر وزن تھا۔ اس طرح کے دس درہموں کا وزن پانچ مثقالوں کے برابر تھا۔

جب حضرت عمر فاروقؓ نے زکوٰۃ اکٹھی کرنی چاہی اور ان تینوں درہموں میں سے سب سے

بڑے درہم (یعنی بیس قیراط والے) کو بنیاد بنایا تو لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ زکوٰۃ کا بوجھ ہلکا کر دیں۔ عمر فاروق رضؓ نے اس معاملے کو مشورے کے لیے پیغمبرِ خدا کے صحابیوں کے سامنے رکھا۔ سب نے یہ فیصلہ کیا کہ تینوں مروجہ دراہم کی اوسط نکال کر اسے معیاری اور قانونی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ تینوں کا مجموعی وزن (۲۰ قیراط + ۱۲ قیراط + ۱۰ قیراط) ۴۲ قیراط بنتا ہے اور اوسط نکالیں تو (۴۲ ÷ ۳) ۱۴ قیراط فقط جواب آتا ہے۔ صحابہ کرام نے عہدِ فاروقی میں انہی ۱۴ قیراط کے درہم کو یا ۵۶ حبہ کے درہم کو معیاری قرار دیا۔ ایسے دس درہم کا وزن چونکہ (۱۰ درہم × ۱۴ قیراط × ۴ حبہ) = ۵۶۰ حبہ ہوتا ہے تو یہ سات مثقال کے برابر تھے کیونکہ یہ بھی (۷ مثقال × ۲۰ قیراط × ۴ حبہ) ۵۶۰ حبہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدنی درہم کی قیمت مختلف تعین کی گئی ہے۔ یعنی کبھی ۴۸ حبہ یعنی ۱۲ قیراط کا ہوتا ہے، کبھی ۵۵ حبہ یعنی ۱۳ ۳/۴ قیراط کا ہوتا ہے۔ ۵۶ حبہ یعنی ۱۴ قیراط کا بھی درہم ہے اور ۵۷ ۳/۵ حبہ یعنی ۱۴ ۲/۵ قیراط کا بھی درہم ہے۔ حتیٰ کہ ۶۰ ۹/۱۰ حبہ یعنی قریباً ۱۵ ۱/۵ قیراط کا درہم بھی ملتا ہے۔ اسی طرح مدنی مثقال کا حال ہے کبھی اس کا وزن ۶۸ ۵۷/۱۰۰ حبہ یعنی ۱۷ ۱۴/۲۵ قیراط ہے اور کبھی ۷۸ ۵۷/۱۰۰ حبہ یعنی ۱۹ ۲۱/۲۵ قیراط ہے۔ ۸۰ حبہ یعنی ۲۰ قیراط بھی ہے اور ۸۲ ۳/۱۰ حبہ یعنی ۲۰ ۳/۴ قیراط بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دو مدنی اوزان کے بارے میں ہم گورکھ دھندے میں الجھ گئے ہیں۔ ان میں صرف ایک ہی درست اور صحیح ہو سکتا ہے۔ عقلی اور تاریخی نقطۂ نظر سے فاروقِ اعظم کی تطبیق سب سے زیادہ قابلِ اعتماد نظر آتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حنفی فقہ ۱۴ قیراط والے درہم اور ۲۰ قیراط والے مثقال کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور انہی کو مدنی نظام اوزان کا قانونی معیار تسلیم کرتی ہے۔ اس موجودہ کتاب (قانون و فلسفۂ زکوٰۃ۔ مترجم) میں ہم اس حنفی قیادت و رہنمائی کی پیروی کریں گے اور اسی کے مطابق مدنی نظام کے اوزان کی قدر و قیمت دیکھیں گے۔

یہ امکان تو موجود ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں زکوٰۃ ۱۲ قیراط یعنی چھ دانق والے درہم سے لی جاتی ہو لیکن ساری دنیا اس امر سے واقف ہے کہ عمر فاروق رسولِ اکرمؐ کے قریب ترین صحابہ کرام میں سے تھے اس لیے انھیں اس اہم مسئلے کے بارے میں کہ زکوٰۃ

کتنے وزن کے درہم میں لی جانی چاہیے۔ رسولِ اکرمؐ کی سنت اور ہدایات کا بہتر پتہ ہوگا اسی لیے تو انھوں نے بیس قیراط والے درہم میں زکوٰۃ لینے کا حکم دیتے ہوئے اپنے آپ کو مبنی بہ انصاف سمجھا ہوگا اور پھر بعد ازیں انھوں نے یہ جو فیصلہ کیا کہ درہم کو چودہ قیراط پر متعین کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے زمانے میں مدنی نظام اوزان میں درہم کے لیے قیراط یا حبہ (گرین GRAIN) میں کوئی مقرر تعداد وزن واضح طور پر منضبط نہیں تھی۔ حالانکہ اس وقت درہم کی اوقیہ، رطل، صاع اور وسق سے نسبت واضح اور متعین طور پر معلوم و معروف تھی۔

جہاں تک دینار کا تعلق ہے (جو لاطینی لفظ DENARIUS سے ماخوذ ہے۔ دیناریوس ایک رومی نقرئی سکہ تھا جو آٹھ پنس کے برابر تھا) مدنی دینار دراصل مثقال کا ہی دوسرا نام ہے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دینار کا وزن ۲۴ قیراط ہے۔" یہاں رسولِ اکرمؐ نے جب دینار کا ذکر فرمایا ہے وہ خالص سونے کا دینار ہے۔ یہ جاننا باعثِ دلچسپی ہوگا کہ آج بھی معیاری خالص سونا ۲۴ قیراط (CARATS) ہی شمار ہوتا ہے۔

اس بات کا قانونِ زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شروع میں مثقال اور دینار کے وزن میں فرق تھا یا نہیں۔ کیونکہ قانون زکوٰۃ کی رُو سے سونے کی زکوٰۃ مثقال کے ذریعے ادا کی جاتی ہے اور دینار کے ذریعے نہیں دی جاتی۔ لفظ دینار اس وقت بولا جاتا تھا جب ۱ مثقال کے وزن کے سونے کو سکہ میں ڈھالا جاتا تھا اور آخر میں ان دونوں اصطلاحات کو ایک ہی چیز کے لیے بولا جاتا تھا۔

آج کل نقرئی درہم اور طلائی دینار دونوں کی زرِ قانونی کی حیثیت ختم ہوگئی ہے۔ مزید برآں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جب ان کی حیثیت زرِ قانونی کی تھی تو ان کی قدرِ زر مستحکم و پائدار نہیں تھی یا تو اس وجہ سے کہ ان سکوں میں جو چاندی، سونا ہوتا تھا اس میں ترمیم ہوگئی یا ان قیمتی دھاتوں کی اصلی قدر میں ہی تغیر و تبدل ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی باہمی نسبتِ زر (یعنی دس درہم ایک دینار کے برابر تھے) بُری طرح متاثر ہوئی۔ اس لیے ہم

ان دونوں اکائیوں کو صرف ان کی اصلی فطرت کی روشنی میں دیکھیں گے یعنی درہم و دینار کو قیمت اور زر کی شکل میں نہیں بلکہ اوزان کے طور پر دیکھیں گے۔

اگلے صفحات میں دیے ہوئے گوشوارے سے قاری کو مدنی نظامِ اوزان کا ایک عام اندازہ ہو جائے گا۔ اس خیال سے کہ ان اوزان کا صحیح صحیح تقابلی اندازہ ہو سکے ان کے ساتھ ساتھ تولہ سیر اور اعشاری نظاموں کے گرام بھی لکھ دیے گئے ہیں۔

اگر ہم نئے سرے سے زکوٰۃ کے اداروں کو انہی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں جس پر اسے شروع میں قائم کیا گیا تھا ——— تو اس اہم نقطہ کو پوری طرح جان لینا چاہیئے کہ رسولِ اکرمؐ نے چاندی کا نصاب دو سو درہم یا سونے کا بیس مثقال کیوں مقرر کیا؟ اس بارے میں امام العینی نے صحیح البخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں ان دونوں نصابوں میں سے کوئی ایک نصاب پانچ اونٹوں کے بوجھ کی بازاری قیمت کے مساوی تھا۔ دوسرے الفاظ میں ایک خاندان کے سالانہ اخراجات خوراک کی قیمت تھا۔

اس طرح (آغازِ اسلام میں دو سو درہم چاندی کے بدلے میں پانچ اونٹوں کے بوجھ (غلہ یا کھجوریں وغیرہ) کو خریدا جا سکتا تھا جو ایک متوسط خاندان کے لیے سال بھر کی ضروریات کے لیے معقول سامانِ خورد و نوش ہے لیکن اب ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء میں دو سو درہموں کی چاندی سے پانچ اونٹوں کا بوجھ غلہ نہیں خریدا جا سکتا۔ کیونکہ دو سو درہم ۶۲ $\frac{1}{5}$ تولہ چاندی وزن رکھتے ہیں جن کی قیمت قریباً ۴۵۰ روپے ہے۔ اس سے ۴۲ من گندم یا جو یا مکئی یا چاول کہاں خریدے جا سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اب دو سو درہم وزن کی چاندی بنیادی سامانِ خورد و نوش کی سال بھر کی بہم رسانی کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ حالانکہ یہ بات بالکل دل لگتی ہے کہ آج بھی ایک آدمی یا خاندان سال بھر میں جتنا سامانِ خوراک استعمال کرتے ہیں آج سے چودہ سو سال پہلے بھی اتنا ہی سامان استعمال کرتے تھے۔

تقابلی گوشوارہ ـ معیاری مدنی نظامِ اوزان و پیمائش

مقابل میں گرام، تولہ، سیر اور برطانوی اونس کا حساب دیا گیا ہے:

حبہ	قیراط	مثقال	درہم	اوقیہ
۱ =	۰٫۲۵ =	۱/۸۰ =	–	–
۴ =	۱ =	۱/۲۰ =	–	–
۸ =	۲ =	۱/۱۰ =	–	–
۱۵٫۴۳۲ =	۳٫۸۵۸ =	۱/۵ مثقال سے کم =	–	–
۴۰ =	۱۰ =	۱/۲ =	–	–
۵۶ =	۱۴ =	۷/۱۰ =	(۱) =	۱/۴۰ =
۸۰ =	۲۰ =	۱ =	۱ ۳/۷ =	۱/۲۸ =
۱۸۰ =	۴۵ =	۲ ۱/۴ =	۳ ۳/۴ =	–
۲۸۰ =	۷۰ =	۳ ۱/۲ =	(۵) =	۱/۸ =
۳۲۰ =	۸۰ =	(۴)	۵ ۷/۱۰ =	۱/۷ =
۴۷۷ =	۱۱۹٫۲۵ =	–	۸ ۱/۲ =	–
۵۶۰ =	۱۴۰ =	۷ =	۱۰ =	۱/۴ =
۱٫۶۰۰ =	۴۰۰ =	(۲۰) =	۲۸ ۴/۷ =	۵/۷ =
۲٫۲۴۰ =	۵۶۰ =	۲۸ =	(۴۰) =	۱ =
۱۱٫۲۰۰ =	۲٫۸۰۰ =	۱۴۰ =	(۲۰۰) =	(۵) =
۱۴٫۴۰۰ =	۳٫۶۰۰ =	۱۸۰ =	۲۵۷ ۱/۷ =	۶ ۳/۷ =
–	–	۱۹۲ =	۲۷۶ =	۶ ۶/۷ =
۲۶٫۸۸۰ =	۶٫۷۲۰ =	۳۳۶ =	۴۸۰ =	۱۲ =
۴۰٫۳۲۰ =	۱۰٫۰۸۰ =	۵۰۴ =	۷۲۰ =	۱۸ =
۸۰٫۶۴۰ =	۲۰٫۱۶۰ =	۱٫۰۰۸ =	۱٫۴۴۰ =	۳۶ =
۴٫۸۳۸٫۴۰۰ =	۱٫۲۰۹٫۶۰۰ =	۶۰٫۴۸۰ =	۸۶٫۴۰۰ =	۲٫۱۶۰ =
۲۴٫۱۹۲٫۰۰۰ =	۶٫۰۴۸٫۰۰۰ =	۳۰۲٫۰۰۰ =	۴۳۲٫۰۰۰	۱۰٫۸۰۰ =

رطل	صاع	وسق	گرام	تولہ	سیر	اونس
-	-	-	= ٫۰۶۴۸	-	-	٫۰۰۲
-	-	-	= ٫۲۵۹۲	-	-	٫۰۰۸
-	-	-	= ٫۵۱۸۴	= ۲/۴۵	-	-
-	-	-	= ۱	-	-	٫۰۴۳۱
-	-		= ۲٫۵۹۲	= ۲/۹	-	-
-	-	-	= ۳٫۶۲۸۸	= ۱/۳	-	٫۱۵۶۵۵
-	-	-	= ۵٫۱۸۴	= ۴/۹	-	٫۲۲۲۳۶
-	-	-	= ۱۱٫۶۶۴	= ۱	= ۱/۸۰	٫۴۵۲۷
-	-	-	= ۱۸٫۱۴۴	= ۱ ۵۵/۱۰۰	-	٫۷۵۴۵
-	-	-	= ۲۰٫۷۳۶	= ۱ ۷۷/۱۰۰	-	٫۸۹۴۴
-	-	-	= ۳۱٫۱۰۳۵	-	-	ایک اونس
-	-	-	= ۳۶٫۲۸۸	= ۳ ۱۱/۱۰۰	-	-
-	-	-	= ۱۰۳٫۶۸	= ۸ ۲۲/۲۵	-	۳٫۴۷۲
۱/۱۲	-	-	= ۱۴۵٫۱۵۲	= ۱۲ ۱۱/۲۵	-	۶٫۰۳۶
= ۵/۱۲	-	-	= ۷۲۵٫۷۶	= ۶۲ ۱۱/۵۰	-	۳۰٫۱۸
= ۱/۲ تقریباً	-	-	= ۹۳۳٫۱۲	= ۸۰	= ۱	-
= ۵۷/۱۰۰	-	-	ایک کیلوگرام	-	= ۱ ۷/۱۰۰	-
= ۱	= ۱/۳	= ۱/۱۸۰	= ۱۷۴۱٫۸۲۴	= ۱۴۹ ۱/۳	-	-
= ۱ ۱/۲	= ۱/۲	= ۱/۱۲۰	= ۲٬۶۱۲٫۷۳۶	= ۲۲۴	= ۲ ۴/۵	-
= ۳	= ۱	= ۱/۶۰	= ۵٬۲۲۵٫۴۷۲	= ۴۴۸	= ۵ ۳/۵	-
= ۱۸۰	= ۶۰	= ۱	= ۳۱۳٬۵۲۸٫۳۲	= ۲۶٬۸۸۰	= ۳۳۶	-
= ۹۰۰	= ۳۰۰	= ⑤	= ۱٬۵۶۷٬۶۴۱٫۶	= ۱۳۴٬۴۰۰	= ۱٬۶۸۰	-

ایسے اوزان جو سونا چاندی اور زرعی اجناس کی زکوٰۃ سے بلا واسطہ متعلق ہیں ان کے گرد دائرہ کھینچا گیا ہے۔

دوسری طرف جہاں چاندی کی قیمت ان صدیوں میں گر گئی ہے وہیں اسلام کے دورِ آغاز کی نسبت آج کی مارکیٹ میں سونے کی قدر و قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً آج کل پاکستان میں بیس مثقال سونے کی قیمت ۱۷۰ روپے تولے کے حساب سے (۲۰ مثقال = ۸۰۸۸ تولے) ۱۵۰۹/۶۰ روپے ہوگی جس کا مطلب یہ ہے کہ چاندی اور سونے کی قدر نسبتی ۸ء۴۹ اور ایک کو پہنچ گئی ہے یہ حقیقت نہایت اہم ہے چاندی کی قیمت گرنے اور سونے کی قیمت بڑھنے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک سال کے اجناس خوردنی کی بازاری قیمت دوسو درہم یا ۶۲ ۱/۵ تولے چاندی ہوتی تھی۔ اب اتنی چاندی کے بدلے میں صرف ۵۰ء۴ روپے حاصل ہوتے ہیں حالانکہ اتنے ہی اجناس خوردنی (مثلاً گندم) کی قیمت سترہ روپے من کے حساب سے ۱۷۴ روپے ہوتی ہے جس کے بدلے میں ۹۹ ۲/۵ تولے چاندی حاصل کی جا سکتی ہے جو تقریباً ۲۷۰ درہم کے برابر چاندی کا وزن ہے۔ دوسرے الفاظ میں پیغمبرِ خدا کے زمانے میں چاندی آج کی نسبت تقریباً ۳/۵ اگنا زیادہ قوتِ خرید کی مالک تھی۔ آج کل دمشق میں چاندی اور سونے کی قدر نسبت تقریباً ۴۶ ۳/۴ اور ایک ہے۔

جہاں تک سونے کا تعلق ہے رسولِ خدا کے زمانے میں سال کے اجناسِ خوردنی کے لیے ۲۰ مثقال کی ضرورت ہوتی تھی آج نو مثقال سے بھی کم (چار تولے سے بھی کم) کے بدلے میں ۱۷۴ روپے حاصل ہو جاتے ہیں جس سے سال بھر کی گندم خریدی جا سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں آج سونا مدینۂ رسول اللہ کے سونے کے مقابلے میں دوگنا قیمتی ہے یا قوتِ خرید کا مالک ہے۔

یہ بات بھی ہمیں ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ زکوٰۃ کے محاصل کا حساب چاندی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے نہ کہ سونے کی بنیاد پر۔ سونے کے لیے ۲۰ مثقال کا نصاب مقرر کرنے کی صرف یہی وجہ تھی کہ اس کی قوتِ خرید اس زمانے میں دوسو درہم چاندی کے برابر تھی جو اس زمانے میں خورد و نوش کا اتنا سامان خرید سکتی تھی کہ اسے پانچ اونٹوں پر لادا جا سکے۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ جہاں سونے چاندی کا تعلق ہو وہاں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ صاحبِ مال زکوٰۃ پذیر کو سال بھر کے خورد و نوش کا سامان خریدنے کی مالیت کے

برابر چاندی یا سونے کو نصاب بنایا جائے۔ کیونکہ ان دونوں کے نصاب کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ یہ اپنے اس مقصد کو ہمیشہ ہمیشہ پورا کرے جس کے لیے اسے مقرر کیا گیا ہے اور سیم وزر کی نسبتوں میں واقع ہونے والے صبح وشام کے تغیرات کو خاطر میں نہ لایا جائے۔ کیونکہ ایک انسانی معاشرے میں سونا چاندی مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ یہ تو آلۂ مبادلہ کے طور پر انسانوں کے خادم ہیں۔

یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ اسلامی قوانین کی تدوین زندگی کی دوامی اقدار پر ہونی چاہیے۔ انسانی معاشرے میں قدر و قیمت کے تعین کے لیے اجناسِ خوراک بحیثیت بنیادی ضرورت زندگی ایک مستقل بنیاد ہیں۔ چاندی اور سونا تو محض انسان کی فوری ضروریات اور سہولیات کے لیے عاضی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ غالباً اس بدیہی امر سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوگا کہ ماضی کے اقتصادی اندازوں (جو اپنے وقت کے لحاظ سے عین روحِ اسلام کے مطابق تھے۔ مترجم) اندھے گونگے اور بہرے بن کر عمل کر لینا جب کہ وہ موجودہ زمانے کے حقائق سے مطابقت نہیں رکھتے راہِ ترقیٔ اسلام میں سنگِ گراں ثابت ہوگا جس سے ہم بار بار ٹھوکر کھائیں گے اور اگر ہم حالات اور حقائق کے بارے میں یہ جان لیں کہ ان میں بنیادی اصولوں کے مطابق تغیر و نمو ہوتی ہے تو ہم قانونِ اسلام کی روح کو بہتر انداز میں پورا کر سکیں گے اور مسلم اقوام کے مفادات کی بہتر خدمت کر سکیں گے۔

مثلاً اگر ۱۹۶۹ء میں مغربی پاکستان میں گندم کا اوسط نرخ سترہ روپے من ہے تو اس سال کے لیے مغربی پاکستان میں نقد قیمت والی اشیا (چاندی، سونا، کرنسی نوٹ، ہیرے جواہرات کے بارے میں ہمیں اتفاق کر لینا چاہیے کہ ان کا نصاب (۱۷ روپے × ۴۲ من یعنی پانچ اونٹوں کا بوجھ =) ۷۱۴ روپے ہوگا جو کہ ایک سال کی بنیادی خوراک کی اوسط بازاری قیمت ہے۔ اور اسی طرح مشرقی پاکستان جہاں چاول بنیادی خوراک ہے اور اس کا اوسط نرخ ۳۰ روپے من ہے، اس میں ۱۹۶۹ء میں نصاب (۴۲ من × ۳۰ روپے =) ۱۲۶۰ روپے ہوگا ——— جو کہ وہاں کی ایک سال کی بنیادی خوراک کی اوسط بازاری قیمت ہے۔

اگر ایسا ہو جائے کہ چاندی اور سونے کی باہمی نسبتِ قدر پھر سے بحال ہو کر اصل مدنی نسبتِ قدر کے مطابق ہو جائے کہ چاندی کے دس درہموں کی قوتِ خرید سونے کے ایک دینار کی قوتِ خرید

کے مساوی ہو جائے اور اسی طرح چاندی اور اجناسِ اغذیہ کے درمیان بھی پہلی سی نسبتِ قدر بحال ہو جائے۔ یعنی دو سو درہم چاندی کے بدلے میں اتنی گندم (یا جو یا مکئی یا چاول) خریدی جا سکے جو پانچ اونٹوں پر لادی جا سکیں تو پھر قدیم قانونِ زکوٰۃ میں دیئے ہوئے سونے چاندی کے نصاب کی پابندی ضرور کی جائے گی۔ بدقسمتی سے ایسا مبارک واقعہ شاید کبھی نہ ہو سکے۔ اس لیے ہم حقیقت کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا ہم اس نصاب کو جو پیغمبرِ خدا (صلعم) نے مقرر فرمایا تھا سونے چاندی کے لیے بنیاد کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ یعنی مارکیٹ میں موجودہ نرخوں کے مطابق بنیادی اجناسِ خوردنی کی سال بھر کی بہم رسانی کی نسبتِ قدر کے برابر۔ اس لیے ہمیں اس حقیقت سے دوچار ہوئے بغیر چارہ نہیں کہ جس طرح بنیادی اجناسِ خوردنی کی قیمتوں میں سال بہ سال کمی بیشی ہوگی اسی طرح اوزان کے مطابق سونے اور چاندی کے نصاب میں بھی تغیر و تبدیل ہوتا رہے گا۔

رسول اللہ کے زمانے میں مدنی نظام کے سونے چاندی کے درمیان نسبتِ قدر واضح کرنے کا گوشوارہ

(VALUE)

چاندی		سونا
۲۰۰ (دو سو) درہم	=	۲۰ (بیس) مثقال
۱۰ (دس) درہم	=	۱ (ایک) مثقال
۱ (ایک) درہم	=	$\frac{1}{10}$ (عشر) مثقال

رسول اللہ کے زمانے میں مدنی نظام کے سونے چاندی کے درمیان نسبتِ اوزان واضح کرنے کا گوشوارہ

(WEIGHT)

چاندی		سونا
۲۰۰ (دو سو) درہم	=	۱۴۰ (ایک سو چالیس) مثقال
۱۰ (دس) درہم	=	۷ (سات) مثقال
۱ (ایک) درہم	=	$\frac{7}{10}$ (سات عشر) مثقال

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کی تازہ ترین مطبوعات

۱۔ الفہرست (عربی سے ترجمہ) ابن الندیم۔ قیمت: ۲۰ روپے

۲۔ مجمع البحرین (شیعہ اور سُنی کی متفقہ علیہ روایات) قیمت ۶ روپے

۳۔ تصوراتِ عرب قبلِ اسلام: قیمت: ۴ روپے ۵۰ پیسے

۴۔ مقالات ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ تین جلدیں۔ قیمت: ۱۷ روپے ۵۰ پیسے۔